شعرائے ایران کا پیشرو

(از۔ ڈاکٹر سید رغیب حسین تمنّا ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی)

ابوعبداللہ جعفر بن محمد الرودکی، رودک، نخشب یا نسف کا رہنے والا تھا۔ بعض کا قول ہے کہ وہ رود و آلۂ موسیقی بہت اچھا بجاتا تھا اس لئے رودکی کے نام سے شہرت پائی۔ مادرزاد اندھا تھا، قرآن مجید حفظ کیا، قرأت کی تکمیل کی، خوش گلو تھا، بذلہ سنج تھا۔ فنِ موسیقی میں مہارت حاصل کی اور بربط بجانے میں کمال حاصل کیا۔

امیر نصر بن احمد کے دربار میں رسائی ہوئی تو ندیمی کے منصب پر فائز ہوا۔ تقرب واثر کے لحاظ سے ندیم کا مرتبہ وزراء سے بھی بالاتر سمجھا جاتا تھا۔ نصر کی تربیت اور قدر و منزلت سے اس کو بے اندازہ دولت حاصل ہوئی۔ دربار کے بڑے بڑے وزراء اور امراء بھی اس کے جاہ و حشم کا مقابلہ نہ کر پاتے تھے۔ بچپن سے ہی طبیعت شعر و شاعری کی طرف مائل تھی۔ شاہی تقرب حاصل ہونے سے قبل ہی وہ ایک مسلم الثبوت شاعر تسلیم ہو چکا تھا۔

رودکی کو ایران کا پہلا شاعر مانا جاتا تھا۔ بعض اسے فارسی شاعری کا آدم مانتے ہیں۔ اس نے تمام اقسامِ شاعری پر طبع آزمائی فرمائی اور ایک مرتّب ذخیرۂ سخن چھوڑ گیا۔ مگر ایک چیز غور طلب ہے۔ شاعری ایک فردِ واحد کی تخلیق نہیں ہوتی۔ اس کی پیدائش اور ترقی کے لئے ایک نسل ناکافی ہے۔ رودکی کے کلام سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ زبانِ فارسی ابتدائی مراحل طے کر چکی ہے۔ پس یہ ماننا پڑے گا کہ ایک اکیلے رودکی نے وہ تمام مرحلے طے نہیں کئے۔ اگر اسے تسلیم کر بھی لیں تو ہمیں اس کے ابتدائی اور آخری زمانے کے کلام کا موازنہ کرنا پڑے گا۔ ابوسعد السمعانی کے بیان سے اس کی حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے۔ وہ

لکھا ہے:۔ "والمشھور منھا (من الرودک) الشاعر الملیح القول بالفارسیة السائر دیوانه فی بلاد العجم ابوعبدالله جعفر بن محمد بن حکیم بن عبد الرحمٰن بن آدم الرودکی الشاعر السمرقندی کان حسن الشعر، متین القول، قیل اوّل من قال الشعر الجید بالفارسیة هو، وقال ابوسعد الادریسی الحافظ ابوعبدالله الرودکی کان مقدما فی الشعر بالفارسیة فی زمانه علی اقرانه یروی عن اسماعیل بن محمد اسلم القاضی السمرقندی حکایة حکاها عنه ابوعبدالله بن ابی حمزة السمرقندی، لانعلم له حدیثا مسندا، وبعد ان رأیت له روایة لم استحسن ترک ذکره، قال وکان ابوالفضل البلعمی وزیر اسمٰعیل بن احمد والی خراسان یقول لیس للرودکی فی العرب والعجم نظیر ومات برودک سنة ۳۲۹ھ[1]

اس بیان کا یہ جملہ کہ فارسی شعر اچھے کہتا تھا نزاع کو ختم کرنے کے لئے کافی ہے۔ ورنہ اس کے زمانہ میں متعدد فارسی گو شعراء موجود تھے۔ اس لئے ابوسعد الادریسی نے لکھا ہے کہ رودکی اپنے زمانہ کے تمام شعراء کا پیشرو ہے۔ اگر وہ تنہا فارسی شاعر ہوتا تو اظہار تقدم کی ضرورت لاحق نہ ہوتی۔

شعروشاعری کے میدان میں اس شاعر باکمال کا لوہا سب مانتے آئے ہیں۔ شہید بلخی دبجوالہ عونی) اس کے کمال فن کا بیحد مداح تھا، معروفی بلخی اسے "سلطان شاعراں" کے نام سے یاد کرتا ہے عنصری معترف ہے کہ "میں غزل اور قصیدے میں رودکی کی ہمسری نہیں کر پاتا"۔

کلیلہ ودمنہ کی نظم کی تکمیل پر رودکی کو چالیس ہزار درہم بطور صلہ ملے۔ ایک قصیدہ میں اس صلہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عنصری کہتا ہے:۔ ؎

چہل ہزار درم رودکی زمہتر خویش عطا گرفت بہ نظم کلیلہ در کشور

فردوسی شاہنامہ میں کلیلہ ودمنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یوں قلم اٹھاتا ہے

---

[1] کتاب الانساب للسمعانی۔ "بیان الرودکی"۔

کلیلہ تبازی شد از پہلوے — بدیشان اکنوں ہمی بشنوی

اسدی نے اپنی تصنیف کردہ لغات الفرس میں کلیلہ و دمنہ کے چند اشعار دیے ہیں ان میں سے چھ شعر یہ ہیں :۔ ؎

تا جہاں بود از سرِ آدم فراز — کس نبود از راہِ دانش بے نیاز

مردماں بخرد اندر ہر زماں — راہِ دانش را بہر گونہ زباں

گرد کردند و گرامی داشتند — تا بسنگ اندر ہمی بنگاشتند

دانش اندر دل چراغ روشن است — وز ہمہ بد بر تنِ تو جوشن است

انک را دانم کہ رویم دشمن است — وز روان پاک بدخواہِ من است

ہم بہر کہ دوستی جویش من — ہم سخن با آشتی گویش من [1]

ایک دفعہ نصر بن احمد بخارا سے بادغیس (ہرات) میں آیا۔ بہار کا زمانہ تھا۔ بادشاہ یہاں کی دلفریبیوں پر کچھ اس قدر ریجھا کہ پورے چار سال گذار دیئے۔ ادھر ارکینِ سلطنت خدام اور اہلِ لشکر بال بچوں کی جدائی سے پریشان حال تھے۔ بادشاہ سے کہے تو کون کہے، کسی میں اتنی ہمت کہاں! آخر انھیں ایک ترکیب سمجھ میں آئی۔ رودکی کو آمادہ کیا کہ کسی طرح بادشاہ کو بخارا چلنے پر آمادہ کرے۔ دوسرے دن رودکی دربار میں پہنچا اور عشاق کی دھن میں ساز کے ساتھ یہ اشعار گائے :۔ ؎

بوئے جوئے مولیاں آید ہمی — یادِ یارِ مہرباں آید ہمی

ریگ آموے و درشتیہائے او — زیرِ پایم پرنیاں آید ہمی

آب جیحوں با ہمہ پہناوری — خنگ ما را تا میاں آید ہمی

اے بخارا شاد باش و شاد زی — شاہ سوئت میہماں آید ہمی

---

[1] اس کے ۱۰۸ ابیات پراگندہ دستیاب ہو چکے ہیں۔ یہ مسدس مقصور بحرِ رمل میں ہے۔ وزن فاعلات فاعلات فاعلان ہے۔

شاہ سرو است و بخارا بوستاں　　　سرو سوے بوستاں آید ہمی

شاہ ماہ است و بخارا آسماں　　　ماہ سوئے آسماں آید ہمی

ان اشعار کو سنتے ہی نصر پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ بخارا کی یاد آتے ہی دل تڑپ اٹھا۔ بغیر موزے پہنے ہوئے چل پڑا اور پوری ایک منزل پر جا کر دم لیا۔ یہی ہے وہ اثر جس نے رودکی کے کلام کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ عروضی سمرقندی جو خود ایک زبردست شاعر تھا چہار مقالہ میں لکھتا ہے کہ آج تک کسی نے اس قصیدے کا جواب نہیں دیا۔

مذکورہ بالا قصیدہ اور اس کا شانِ نزول شعراء اور ایران کے ادیبوں میں بہت مشہور رہا ہے۔ خواجہ حافظ شیرازی اپنی ایک غزل میں جس کا مطلع

"سینہ مالا مال درد ست اے دریغا مرہمے　　　دل ز تنہائی بجاں آمد خدا را ہمدمے"

ہے، اس قصیدہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔ ؎

خیز تا خاطر بداں ترکِ سمرقندی دہیم　　　کز نسیمش بوئے جوئے مولیاں آید ہمی[1]

اسی واقعہ کا ذکر حمد اللہ مستوفی نے ظفر نامہ میں یوں نظم کیا ہے ؎

چو برخواند گویند ایں بیت شش　　　برآمد ز جا میر خورشید فش

نماندش کہ ابیات خواند تمام　　　رواں گشت آں میر گردوں غلام

بدانساں کہ بے کفش شد سوئے راہ　　　مجال توقف نمی یافت شاہ

بشہر بخارا ز ملکِ ہرات　　　برفت و برآسود از آں سپاہ

رودکی نہایت تیز فہم تھا۔ اس کے سینے میں ایک حساس دل تھا جو زمانہ سے پند و عبرت حاصل کرنے پر ہر وقت آمادہ رہتا تھا۔ اس لئے جو کچھ کہتا تھا وہ اس کے دل کی بات ہوتی تھی۔ دنیا کی بے ثباتی پر رودکی، خیام اور قریب قریب ہر شاعر نے بہت کچھ لکھا ہے مگر ان سب میں رودکی کا بیان فصیح تر ہے چنانچہ کہتا ہے:۔ ؎

---

[1] ہندوستان کے مطبوعہ نسخوں میں یوں ہے ؎ کز نسیمش بوئے جوئے حوریاں آید ہمی

این جہان پاک خواب کرداراست   آن شناسد کہ دلش بیداراست

ایک اور جگہ کہتا ہے :۔ ؎

زندگانی چہ کوتہ و چہ دراز   نہ بآخر بمرد باید باز
خواہی اندر عناو شدت زی   خواہی اندر امان بنعمت ناز
این ہمہ روز مرگ یکسانند   نشناسی زیک دگرشان باز

کسی کی خوشحالی پر رشک اور حسد نہ کرنا چاہیئے۔ نصیحت کے پیرایہ میں کہتا ہے:۔ ؎

زمانہ پندے آزادہ وار داد مرا   زمانہ را چون نکو بنگری ہمہ پنداست
بروز نیک کسان گفت غم مخور زنہار   بسا کسا کہ بروز تو آرزومند است

یعنی جس طرح تم اوروں کی خوش قسمتی پر رشک کرتے ہو دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو تمہاری حالت پر رشک کرتے ہیں۔ اس لئے شکایت کی گنجائش نہیں۔

زندگی کا فلسفہ رودکی کی نظر میں :۔ ؎

شاد زی با سیاہ چشمان شاد   کہ جہان نیست جز فسانہ و باد
زآمدہ شادمان نباید بود   وز گذشتہ نکرد باید یاد
نیک بخت آن کسے کہ داد و بخورد   شور بخت آنکہ او نخورد و نداد
باد و ابرست این جہان افسوس   بادہ پیش آر ہرچہ بادا باد

بڑے بڑے شعراء رودکی کے کلام سے فائدہ اٹھاتے رہے ہیں چنانچہ رودکی نے کہا ہے :۔ ؎

نیک بخت آن کسے کہ داد و بخورد   شور بخت آنکہ او نخورد و نداد

شیخ گلستاں میں کہتے ہیں :۔

عاقلے را پرسیدند کہ نیک بخت کیست و بدبخت چیست؟ گفت نیک بخت آنکہ خورد و کشت و بدبخت آنکہ مرد و ہشت۔

رودکی نے کہا ہے :۔ ؎

درست وراست کناد این مثل طفر آورا — اگر بہشت یکے در ہزار در بکشاد

اسی کو سعدی کہتے ہیں:۔

خدا گر ز حکمت ببندد درے — ز رحمت کشاید درے دیگرے

رودکی:۔

یکے آلودہ اے باشد کہ شہرے را بیالاید
چو از گاوان یکے باشد کہ گاوان راکند ریخن

سعدی:۔

چو از قومے یکے بیدانشی کرد — نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را
ندیدستی کہ گاوے در علفزار — بیالاید ہمہ گاوانِ دہ را

فارسی شعراء میں بمشکل چند شاعر ایسے نکلیں گے جن کا دامن ہجو کہنے سے پاک ہو۔ بعض تو بہت بیباک شاعر گذرے ہیں جن کو ہجو کہنے میں ہی لطف آتا تھا۔ رودکی نے بھی ہجو کہی ہے لیکن متانت اور سنجیدگی کے ساتھ مثلاً:۔

آں سر بدرت بدشت خاک زدی — مامات دف و دد روبہ جا لاک زدی
آں بر سر گورہا تبارک خواندی — ویں بر در خانہا بتوراک زدی

ظاہر ہے کہ اس ہجو میں اس نے مبالغہ سے کام نہیں لیا۔ یہ ایک ایسے آدمی کے حق میں ہجو کہی ہے کہ اس کا باپ گورستان میں قرآن خوانی کرتا ہے اور ماں گھروں میں دف بجاتی پھرتی ہے۔ ایسا آدمی بلند مقام پر پہنچ جائے اور رودکی جیسے شاعر کو تکلیف دے اس کی سزا کے لئے یہ اشعار ہی کافی ہیں۔ اس میں نہ تو کسی پر تہمت ہے اور نہ مغلظات۔ ایک شکایت کہی ہے:۔

زہے سوار و جوان و توانگر از رہ دور — بخدمت آید نیکو سگال نیک اندیش
پسند آید مر خواجہ را پس از دہ سال — کہ باز گردد پیرد پیادہ و دل ریش

ممدوح کو خطاب کر کے کہتا ہے کہ کیا یہ مناسب ہے کہ جو لوگ آپ کے دربار میں جوان اور دولتمند

سواریوں پر آئیں وہ آپ کے ہاں امیدواری میں پڑے جھولا کریں کہ جب واپس جانے لگیں تو دولتمند غریب اور سوار پیادہ اور جوان بوڑھا ہوکر جائے۔

تنوّعِ مضامین کے لحاظ سے اس کی شاعری ہمہ گیر ہے۔ واقعہ نگاری وعظ و نصائح، عشق و محبت، مدح و ثنا، خیال بندی، صنائع و بدائع، ہجو و شکایت پر مشتمل ہے۔ پند و نصائح میں حسنِ ادا کے ساتھ اس نے دقیق نکتے بیان کئے ہیں۔ واقعہ نگاری شاعری کا ایک عنصر ہے۔ رودکی کو اس میں کمال حاصل تھا۔ مدحیہ شاعری میں خیال آفرینی بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ قصیدہ کا جو طریقہ اس نے اختیار کیا تھا آج تک قائم ہے۔ یعنی ابتدا میں تشبیب پھر مدح کی طرف گریز، جود و سخا، عدل و انصاف، شجاعت اور دلیری۔ پھر دعائیہ۔

تمام تذکرے متفق اللفظ ہیں کہ رودکی مادر زاد نابینا تھا۔ محمد عوفی نے لباب الالباب میں لکھا ہے:۔

"اگرچہ بود اما خاطرش غیرتِ خورشید و مہ بود۔ بصر نداشت اما بصیرت داشت۔ مکنونی بود اسرار لطائف بروئے مکشوف۔ محجوبی بود از غایت لطف طبع محبوب۔ چشمِ ظاہر بستہ داشت اما چشمِ باطن کشادہ"

ایک اور جگہ لکھا ہے:۔

"از مادر نابینا آمدہ اما چناں ذکی و فہیم بود کہ در ہشت سالگی قرآن تمامت حفظ کرد و قراءت بیاموخت۔"

بہارستان میں جامی نے اور مؤلف ہفت اقلیم اور مجمع الفصحا نے اسی بیان کی تائید کی ہے مگر رودکی کے بعض اشعار میں جن سے اس کی کورچشمی ثابت نہیں ہوتی۔ مثلاً وہ کہتا ہے:۔ ؎

نظر نگوینہ بدوزم کہ بہر دیدنِ دوست ۔۔۔ زخاکِ من چہ نرگس دمد بجائے گیاہ

دوسری جگہ کہتا ہے:۔ ؎

در راہِ نشاپور دہی دیدم بس خوب ۔۔۔ انگشتہ او در انہ عدد بود نہ مرہ

ایک اور جگہ کہتا ہے: ؎

بایک دیدم بجوالی سرخس　　　　بانگک بربردہ بابر اندرا

ان سے ثابت ہوا کہ رودکی کور مادر زاد نہ تھا بلکہ آواخر عمر میں اس کی بینائی زائل ہو گئی تھی شیخ منینی تاریخ یمینی کی شرح میں لکھتا ہے:۔

"در پایان عمر چشمش میل کشیدہ شد" (وقد سمل[1] فی اواخر عمرہ)

ابوالفضل بلعمی وزیر ۳۲۶ھ میں معتوب سلطانی ہو کر معزول ہوا اور اس کی جگہ جیہانی کو ملی۔ بلعمی اور اس کے دوست احباب بھی نصر بن احمد کے عتاب کا شکار ہوئے۔ ممکن ہے کہ ان کو دربار سے نکال دیا ہو۔ شاہی درباروں میں جو مورد خشم ہوا کرتے تھے اکثر ان کی آنکھوں میں گرم سلائی پھیر دی جاتی تھی تاکہ معتوب اندھا ہو جائے۔ آخر عمر میں جوانی اور ایام رفتہ کو یاد کیا کرتا تھا۔ دقیقی اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے: ؎

استاد شہید زندہ بایستی　　　　وآں شاعر تیرہ چشم روشن بیں

اپنی جوانی کو یاد کرتے ہوئے کہتا ہے: ؎

من موئے خویش را نہ ازاں می کنم سیاہ　　　　تا باز نوجوان شوم و نو کنم گناہ

چو جامہا بوقت مصیبت سیہ کنند　　　　من موئے از مصیبت پیری کنم سیاہ

رودکی کا اسلوب اور طرز شعر گوئی

قصیدہ میں رودکی کا طرز وہی ہے جو خراسانی یا ترکستانی طرز کے نام سے مشہور ہے، اس کا امتیاز سادگی، واقعیت اور شعری خوبی ہے،

عنصری، رودکی کی غزل کی تعریف اور مہارت میں اپنے مرتبہ کی کمتری کی تصدیق کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

غزل رودکی وار نیکو بود　　　　غزلہائے من رودکی وار نیست

اگرچہ بکوشم بباریک وہم　　　　بدیں پردہ اندر مرا بار نیست

[1] سمل کور چشمی بوجہ نزول الماء۔

کتاب المعجم کا مصنف رباعی کی ایجاد رودکی کی طرف منسوب کرتا ہے۔ رودکی کے اشعار میں پند و نصیحت کی کثرت پائی جاتی ہے منجملہ ایک یہ ہے ؎

زمانہ پندی آزادہ وار داد مرا　　　زمانہ را چو نکو بنگری ہمہ پند است
بروز نیک کساں گفت غم مخور زنہار　　　بسا کسا کہ بروز تو آرزومند است

اسی طرح ذیل کے قطعہ میں وہ ریا اور ظاہرداری پر تنقید کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

رو بمحراب نہادن چہ سود　　　دل بنجارا و بتان طراز
ایزد ما وسوسۂ عاشقی　　　از تو پذیرد و نپذیرد نماز

یعنی ایسے آدمی کی نماز کس کام کی کہ قبلہ رو ہو کر سجدہ کر رہا ہو لیکن خیالات کہیں سے کہیں گھوم رہے ہوں۔

رودکی کے بہترین اور پرتاثیر اشعار اس کے مرثیے ہیں جن میں وہ صبر و شکیبائی کی تلقین کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ دنیا کی سختیوں کی پرواہ نہ کرنا چاہیئے اور جو مصیبتیں نازل ہوں ان میں دل کو قوی رکھیں۔

اے آنکہ غمگنی و سزاواری　　　وندر نہاں سرشک ہمی باری
رفت آنکہ رفت و آمد آنک آمد　　　بود آنچہ بود خیرہ چہ غم داری
ہموار کرد خواہی گیتی را　　　گیتی است کی پذیرد ہمواری
مستی مکن کہ نشنود او مستی　　　زاری مکن کہ نشنود او زاری
شو تا قیامت آید زاری کن　　　کے رفتہ را بزاری باز آری
آزار بیش بینی زین گردوں　　　گر تو بہر بہانہ بیازاری
گوئی گماشتہ است بلائے او　　　بر ہر کہ تو بر او دل بگماری
اندر بلائے سخت پدید آید　　　فضل و بزرگواری و سالاری

رودکی نے ۳۲۹ھ میں اس جہان فانی سے رحلت کی۔ اس کا دیوان ایران میں چھپ گیا ہے۔ سعید نفیسی ایرانی نے ایک کتاب "احوال و اشعار رودکی" لکھی ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔